القواعد فی العقائد

افادات

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

امیر: عالمی اتحاد اھل السنۃ والجماعۃ

سرپرست: مرکز اھل السنۃ والجماعۃ 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

چیف ایگزیکٹو: احناف میڈیا سروسز

رابطہ: مکتبہ اھل السنۃ والجماعۃ، 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

فون نمبرز: 048-3881487, 0321-6353540, 0335-7500510

ای میل: markazhanfi@gmail.com

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

﴿وَالْعَصْرِ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ○﴾

زمانے کی قسم بے شک وہی انسان کامیاب ہے جس کا عقیدہ درست ہو، عمل سنت کے مطابق ہو، صحیح عقیدہ اور سنت عمل کی تبلیغ واشاعت بھی کرتا ہو اور اگر اس تبلیغ واشاعت پر مصائب وپریشانیاں آئیں تو ان پر صبر بھی کرتا ہو۔

شریعت کے اجزاء:

شریعت کے دو جزو ہیں:

اعتقادی اور عملی:

اعتقاد اصل ہے، عمل فرع ہے۔ صحیح اعتقاد کے بغیر آخرت کے عذاب سے نجات ممکن نہیں جبکہ عملِ صالح کے بغیر نجات کی امید ہے، البتہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرمادیں اور چاہیں تو قانونِ عدل سے سزا دیں۔ عقیدہ ایک بھی خراب ہو تو اسلام کی ساری عمارت خراب ہو جاتی ہے۔

اِنَّ الْعَقَائِدَ کُلَّھَا اُسٌّ لِّاِسْلَامِ الْفَتٰی

اِنْ ضَاعَ اَمْرٌ وَّاحِدٌ مِّنْ بَیْنِھِنَّ فَقَدْ غَوٰی

ترجمہ: ”تمام عقائد انسان کے اسلام کی بنیاد ہیں، اگر ان میں سے ایک چیز بھی ضائع ہو جائے تو انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔“

خِشْتِ اول چوں نہد معمار کج

تا ثریا می رود دیوار کج

ترجمہ: ”اگر معمار پہلی اینٹ کو ٹیڑھا رکھے تو دیوار ثریا ستارے تک ٹیڑھی جاتی ہے۔“

فائدہ: شریعت کے بنیادی اجزاء دو ہی ہیں؛ عقائد اور اعمال۔ ایک تیسری چیز ”خلق“ ہے، یہ دراصل نظریات کا حصہ ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ اعمال ہوتے ہیں، گویا ”خلق“ نظریات سے الگ نہیں اور شریعت کے اجزاء کو دو میں تقسیم کرنا اس معنیٰ میں درست ہے۔

خلق کی تعریف:

باطن کی وہ کیفیت جو انسان کو عمل پر برانگیختہ کرے اسے ”خلق“ کہتے ہیں۔ اگر کیفیت اچھی ہو تو اعمال اچھے اور اگر کیفیت بری ہو تو اعمال بھی برے۔

مثالیں ۱:”حیاء“ باطنی کیفیت ہے جو کہ ”خلق“ ہے اور ”غضِ بصر“ اس کا نتیجہ ہے، جو کہ ”عمل“ ہے۔

۲:”سخاوت“ باطنی کیفیت ہے جو کہ ”خلق“ ہے اور ”انفاق“ اس کا نتیجہ ہے، جو کہ ”عمل“ ہے۔

۳:”شجاعت“ باطنی کیفیت ہے جو کہ ”خلق“ ہے اور ”قتال“ اس کا نتیجہ ہے، جو کہ ”عمل“ ہے۔

فائدہ: جس علم میں عقائد سے بحث ہو اسے ”علم العقائد“ کہتے ہیں اور جس میں اعمال اور احکام سے بحث ہو اسے ”علم الفقہ“ کہتے ہیں۔

عقیدہ اور عمل میں فرق:

فرق نمبر ۱: عقیدہ اصل ہے اور عمل فرع ہے، جو فرق اصل اور فرع میں ہے وہ عقیدہ اور عمل میں ہے۔ چنانچہ عقیدہ کی مثال عدد کی ہے جو اصل ہے اور عمل کی مثال صفر کی ہے جو کہ فرع ہے۔ عدد اور صفر میں چند فرق ہیں۔

۱: عدد ایک بھی ہو تو قیمتی ہے اور صفریں دس بھی ہوں تو قیمت کچھ بھی نہیں۔

۲: ایک عدد کے ساتھ صفر لگاؤ تو دس، دو صفریں لگاؤ تو سو......الخ، عدد آیا تو صفر کی قیمت بن گئی اور صفر کے آنے سے عدد کی قیمت بڑھ گئی۔ تو عقیدہ آنے سے عمل کی قیمت بنتی ہے اور عمل آنے سے عقیدہ کی قیمت بڑھتی ہے۔

۳: صفر کو دائیں کی بجائے عدد کے بائیں جانب لگائیں تو قیمت نہیں بڑھتی، اسی طرح عمل کی قیمت بھی اس وقت ہوتی ہے جب اپنے مقام پر ہو، اگر مقام بدل جائے تو عمل بے قیمت ہو جاتا ہے۔ مثلاً دعاء اگر نماز جنازہ کے فوراً بعد مانگیں تو بے قیمت ہے اور اگر دفن کے بعد قبر پر مانگیں تو مقبول ہے، کیونکہ اپنے مقام پر ہے۔

فرق نمبر ۲: عقیدہ کا محل "دل" اور اعمال کا محل "بدن" ہے، جو فرق دل اور بدن میں ہے وہی عقیدہ اور عمل میں ہے اور یہ دو فرق ہیں:

۱: جو چیز جتنی قیمتی ہو اس کے رکھنے کا محل بھی اتنا محفوظ ہوتا ہے اور جو اس سے نسبتاً کم ہو اس کے رکھنے کا محل بھی نسبتاً کم محفوظ ہوتا ہے۔ عقیدہ چونکہ زیادہ قیمتی تھا اس کا محل دل کو بنایا، عمل نسبتاً کم قیمتی تھا اس کا محل اعضاء بدن کو بنایا۔

۲: اعضاء جسم میں سے بعض کٹ جائیں تو بندہ زندہ رہتا ہے اور قلب کے بعض اجزاء کٹ جائیں تو بندہ مر جاتا ہے، اسی طرح اگر کچھ اعمال چھوٹ جائیں تو بندہ باایمان ہوتا ہے اگرچہ فاسق ہے، لیکن اگر بعض عقائد ختم ہو جائیں تو ایمان ختم ہو جاتا ہے اور بندہ کافر ہو جاتا ہے۔

فائدہ: علم العقائد کا نام "علم الکلام" بھی ہے، یا تو اس وجہ سے کہ علم الکلام میں زیادہ تر بحث کلام باری تعالیٰ سے ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ علم الکلام میں جب بھی کسی مسئلہ پر بحث ہوتی ہے تو متکلمین کہتے ہیں "اَلْکَلَامُ فِیْ کَذَا"

ائمہ علم الکلام

مشہور ائمہ علم الکلام دو ہیں:

امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری الحنبلیؒ:

آپؒ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی اولاد میں سے تھے، 260 ہجری میں پیدا ہوئے، بچپن میں والد کا انتقال ہو گیا' بعد میں ان کی والدہ کا نکاح مشہور معتزلی "ابو علی جُبّائی" (م 303ھ) سے ہو گیا۔ آپ نے "فن مناظرہ اور علم الکلام" ابو علی جُبّائی کی تربیت میں رہ کر حاصل کیا لیکن نہایت سلیم الطبع اور سلیم الفطرت ہونے کی وجہ سے معتزلہ کی رکیک اور بعید از عقل تاویلات کی وجہ سے مسلک اہل السنت والجماعت کو قبول کیا اور تاحیات عقائد اہل السنت والجماعت کے اثبات اور معتزلہ کی تردید میں دلائل دیتے رہے۔ فروع میں امام احمد بن محمد بن حنبلؒ کے مقلد تھے۔ تین سو (300) کے قریب کتب تصنیف فرمائیں جیسا کہ امام الزرکلیؒ نے الاعلام 69 / 5 میں ذکر کیا ہے۔ چند مشہور کتب یہ ہیں:

الفصول، الموجز، کتاب فی خلق الاعمال، کتاب فی الاستطاعۃ، کتاب کبیر فی الصفات، کتاب فی جواز رؤیۃ اللہ بالابصار، کتاب فی الرد علی المجسمۃ، مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین، کتاب فی الرویۃ، مختصر مدخل الی الشرح والتفصیل وغیرہ۔ آپؒ نے 324 ہجری میں انتقال فرمایا۔

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفیؒ:

آپؒ ماوراء النہر سمرقند کے ایک گاؤں "ماترید" میں پیدا ہوئے۔ معتزلہ کا شدت کے ساتھ رد کرنے کی وجہ سے ابو الحسن اشعریؒ کے بعض وہ افکار جن کا دفاع کرنا ادلہ شرعیہ کی روشنی میں مشکل تھا، کی اصلاح فرمائی اور معتزلہ کی تردید اور اہل السنۃ والجماعۃ کے افکار کی تائید میں راہِ اعتدال اختیار فرمائی۔ فروع میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد تھے۔ "تاویلات اہل السنۃ والجماعۃ" کے نام سے قرآن پاک کی ایک تفسیر بھی تحریر فرمائی۔ اس کے علاوہ بھی متعدد کتب تصنیف فرمائیں، جن میں کتاب التوحید، کتاب رد اوائل الادلۃ للکعبی، کتاب بیان وھم المعتزلۃ، کتاب المقالات، کتاب رد وعید الفساق للکعبی، کتاب رد تھذیب الجدل، کتاب رد الاصول الخمسہ للباھلی،

کتاب رد الامامۃ لبعض الروافض، کتاب الرد علی اصول القرامطۃ، کتاب الجدل وغیرہ شامل ہیں۔ آپ محدث زمانہ امام طحاویؒ کے ہم عصر تھے۔ 333ہجری میں وفات پائی۔

فائدہ: اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مابین لگ بھگ تیس یا پینتیس مسائل میں اختلافات ہیں، ان میں سے اکثر اختلافات نزاع لفظی کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً:

1: امام ابو الحسن اشعریؒ کے نزدیک صفت تکوین، صفت قدرت کے تحت داخل ہے اور امام ابو منصورؒ کے نزدیک صفت تکوین مستقل ایک صفت ہے۔

2: اشعریؒ تکفیرِ اہلِ قبلہ سے احتراز کرتے ہیں' جبکہ ماتریدیہ اس کے قائل ہیں۔

3: اشاعرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز قبیح نہیں ہوتی اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو عقل انتہائی قبیح سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہوتی۔

4: اشاعرہ کے ہاں اللہ تعالیٰ کا فعل معلل بالغرض نہیں ہوتا جبکہ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی تفضلاً مصلحت کی رعایت فرماتا ہے۔

5: اشاعرہ کہتے ہیں کہ ایسا فعل جس میں حکمت و مصلحت ہو مثلاً رسولوں کا بھیجنا وغیرہ' اس کا صدور اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبیح چیز ہوتی ہی نہیں سب خیر و مصلحۃً ہوتی ہے تو وجوب کیسا؟ جبکہ ماتریدیہ (تفضلاً) وجوب کے قائل ہیں۔

(النبراس شرح شرح العقائد ص22)

فرقہ معتزلہ کی ابتداء:

حضرت امام حسن بصری (م 110ھ) کی درس گاہ کے ایک شاگرد "واصل بن عطاء" (م 131ھ) نے جب یہ موقف اختیار کیا کہ مرتکب کبیرہ (کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا) ایمان سے نکل جاتا ہے، مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا، تو امام حسن بصریؒ نے فرمایا: "ھٰذَا الرَّجُلُ قَدِ اعْتَزَلَ عَنَّا" (یہ شخص ہم سے جدا ہو گیا) اب جو شخص اس کی اتباع کرتا وہ خود کو معتزلی کہتا اور معتزلی کا معنی یہ لیتا کہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کے باطل عقائد سے الگ ہیں۔ اسی وجہ سے تفسیرِ کشاف کے مصنف جار اللہ زمخشری نے اپنی کنیت "ابو المعتزلہ" رکھی۔ (النبراس مع شرح العقائد ص20)

عقائد کی اقسام:

جو عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی کتب میں مذکور ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

1: جو دلائل قطعیہ نقلیہ سے ثابت ہوں۔ ان کی تین قسمیں ہیں:

i- جن کا ثبوت قرآن کریم کی ظاہری عبارت سے ہو جیسے جنت، جہنم وغیرہ۔

ii- جن کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنقل تواتر ہو، خواہ تواتر لفظی ہو جیسے ختم نبوت یا تواتر معنوی ہو جیسے ثواب وعذاب قبر وغیرہ۔

iii- جن کا ثبوت اجماع امت سے ہو جیسے خلافت صدیق اکبرؓ وغیرہ۔

2: جو دلائل عقلیہ سے ثابت ہوں، اگرچہ ان کی تائید دلائل نقلیہ سے بھی ہو، جیسے ثبوت باری تعالیٰ، ثبوت نبوت، مسئلہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام وغیرہ۔

3: جو دلائل ظنیہ سے ثابت ہوں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

i- جن کا ثبوت اخبار آحاد سے ہو۔

ii- قرآن وحدیث سے بطریقِ استنباط ثابت ہوں جیسے قرآن کریم کا قدیم ہونا، فرشتوں پر انبیاء علیہم السلام کی فضیلت اور کراماتِ اولیاء کا

برحق ہونا وغیرہ۔

عقیدہ نمبر 1: توحید باری تعالیٰ:

توحید باری تعالیٰ کے متعلق تین باتیں قابل فہم ہیں۔

1: ذاتِ باری تعالیٰ 2: صفاتِ باری تعالیٰ 3: اسماءِ باری تعالیٰ

1: ذاتِ باری تعالیٰ:

ذات باری تعالی کے بارے میں پانچ بنیادی باتیں سمجھنا ضروری ہے۔

۱: اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ." (سورۃ اخلاص:1)

۲: اول و آخر ہے "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ" (سورۃ حدید:2)

فائدہ: اول سے مراد حقیقی اول ہے جس کے لئے ابتداء نہیں اور آخر سے مراد حقیقی آخر ہے جس کے لئے انتہاء نہیں۔

۳: اللہ تعالی کی ذات قدیم ہے کیونکہ اگر قدیم نہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ عدم سے وجود میں آنے کے لیے وہ کسی ایسی چیز کے محتاج تھے کہ وہ ملی ہے تو وجود ملا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کائنات میں کسی چیز کے محتاج نہیں کیونکہ وہ "صمد" ہیں کما قال تعالیٰ ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ اور "صمد" کا معنی ہے "[اَلَّذِیْ] لَا یَحْتَاجُ إِلٰی أَحَدٍ وَیَحْتَاجُ إِلَیْهِ کُلُّ أَحَدٍ."

(تفسیر المدارک للامام النسفی ج2 ص842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

۴: "[اَللّٰهُ تَعَالٰی] لَیْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا طَوِیْلٍ وَلَا عَرِیْضٍ وَلَا یَشْغُلُ الْأَمْکِنَةَ وَلَا یَحْوِیْهِ مَکَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِّنَ الْجِهَاتِ السِّتِّ." (دفع شبہ التشبیہ لامام ابن الجوزی ص107)

ترجمہ: اللہ تعالی جسم سے پاک ہیں، نہ جوہر ہے، نہ عرض، نہ طویل، نہ عریض، نہ امکنہ میں اتر کر ان کو بھر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہاتِ ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے۔

۵: اللہ تعالی موجود بلا جسم و مکان وجھۃ ہے۔

2: صفات باری تعالیٰ:

صفات کی دو قسمیں ہیں:

[۱]: محکمات **[۲]**: متشابہات

صفات محکمات: وہ ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے مثلاً سمع، بصر، علم، قدرت وغیرہ۔

صفات متشابہات: یہ وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالی کی صفات متشابہات ہیں۔

صفات محکمات کی اقسام:

صفات محکمات کی دو قسمیں ہیں: 1: صفات ذاتیہ 2: صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ: جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالی موصوف نہ ہو سکے اور یہ سات ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔

حیات: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (سورۃ بقرہ:255)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی حیات ازلاً، ابداً وحیات کل شئی بہ مُؤبداً ہے۔

سوال: مماتی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننا شرک ہے کیونکہ اس سے اللہ کی صفت "حیی" میں شراکت لازم آتی ہے کہ نبی بھی زندہ اور اللہ بھی زندہ۔

جواب: شراکت لازم نہیں آتی، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور اللہ کی حیات میں دو فرق ہیں:

۱: نبی کی حیات ازلی نہیں ہے، ابدی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی حیات ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ہے اور یہ ابدی حیات جنت میں ہر مسلمان کو حاصل ہوگی۔

۲: نبی کی حیات انقطاع کے ساتھ ہے جبکہ اللہ کی حیات بغیر انقطاع کے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات، پھر موت اور پھر حیات حاصل ہوئی ہے۔

علم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔" (سورۃ آل عمران:29)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کچھ جانتا ہے۔

قدرت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔" (سورۃ بقرہ:20)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

فائدہ: قدرت کا تعلق "ممکنات" کے ساتھ ہوتا ہے، واجبات و محالات کے ساتھ نہیں، کیونکہ واجب و محال میں اپنے ماسویٰ کی تاثیر قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی، جیسے سورج ہر چیز کو گرم کرتا ہے مگر وہ سنگ مرمر جس میں سورج کی تپش قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ جون، جولائی میں دوپہر بارہ بجے بھی ٹھنڈا ہی رہتا ہے۔

فائدہ: واجب الوجود وہ ہے جس کا وجود عقلاً لازم اور عدم محال ہو، جیسے ذات و صفاتِ باری تعالیٰ اور محال وہ ہے جس کا وجود عقلاً ناممکن ہو جیسے اجتماع نقیضین۔

ارادہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔" (سورۃ بروج:16)

ترجمہ: اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے کر ڈالتا ہے۔

سمع: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔" (سورۃ بقرہ:256,224)

ترجمہ: اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بصر: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ۔" (سورۃ ملک:19)

ترجمہ: بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

کلام: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يٰمُوْسٰى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ۔" (سورۃ اعراف:144)

ترجمہ: اے موسیٰ! میں نے اپنی پیغمبری اور ہم کلامی سے لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی صفت وہ کلام ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے قائم ہے، جسے "کلامِ نفسی" کہتے ہیں اور کلام اصل میں "کلامِ نفسی" ہی ہوتا ہے، کلامِ لفظی اس کلامِ نفسی پر دلالت کرتا ہے۔

اِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفُؤَادِ وَاِنَّمَا جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفُؤَادِ دَلِيْلَا

ترجمہ: کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو دل (کی اس کلام) پر دلیل بنایا گیا ہے۔

کلامِ نفسی کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالی نے الفاظ اور حروف کا لباس عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالی کا کلامِ نفسی بھی قدیم ہے اور اس پر الفاظ و حروف کا لباس بھی قدیم ہے، ہاں البتہ مخلوق کا اس کو قراۃ و کتابت کرنا حادث ہے۔

صفات فعلیہ: جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو سکے لیکن اس کا تعلق اللہ کے غیر کے ساتھ ہو جیسے احیاء، اماتت، اھداء، اضلال، اعزاز، اذلال وغیرہ۔

فائدہ 1: صفات باری تعالی قدیم ہیں جیسے ذات باری تعالی قدیم ہے۔ مثلاً جب مخلوق نہیں تھی اللہ تب بھی خالق تھے' اللہ کا خالق ہونا وجودِ مخلوق پر موقوف نہیں البتہ مخلوق کا وجود اللہ تعالی کے خالق ہونے پر موقوف ہے۔ صفت خلق کا وجود اور ہے اور اس کا ظہور اور یعنی صفت خلق کا وجود مخلوق کے موجود ہونے سے پہلے تھا البتہ اس کا ظہور مخلوق کے وجود کے ساتھ ہوا ہے۔

فائدہ 2: صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں؛ کیونکہ دو چیزوں کے مفہوم کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہو تو اسے "عین" کہتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر ہو سکتا ہو تو اس کو "غیر" کہتے ہیں۔ صفات باری تعالیٰ عینِ ذاتِ باری اس لئے نہیں کہ صفت، ذات سے ایک زائد چیز کا نام ہے اور غیر اس لئے نہیں کہ صفت تابع اور موصوف متبوع ہوتا ہے اور تابع بغیر متبوع کے نہیں ہو سکتا اور ذات باری تعالیٰ صفات کے بغیر اس لئے نہیں کہ اللہ تعالی کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

متشابہات کی اقسام:

1: غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات۔

2: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے: ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ (سورۃ حدید؛4)

فائدہ: "المعنی" سے "لغوی معنی" اور "المراد" سے "مراد شرعی" مراد ہے۔

فائدہ: لغوی و اصطلاحی معنی کا مطلب:

لغوی معنی: لفظ کا اصلی معنی جو اہل زبان مراد لیتے ہیں۔

اصطلاحی معنی: لفظ کا وہ معنی جو اہل زبان یا اہل علاقہ یا اہل فن متعین کر لیں۔ مثلاً "اَطۡوَلُ یَدًا" کا لغوی معنی "لمبے ہاتھ والا ہونا" ہے، لیکن اہلِ زبان اس سے وصفِ سخاوت مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا:

اَسۡرَعُکُنَّ بِیۡ لِحَاقاً اَطۡوَلُکُنَّ یَدًا (صحیح مسلم: ج2 ص291 باب فضائل زینب ام المومنین رضی اللہ عنہا)

ترجمہ: میری وفات کے بعد تم میں سے سب سے پہلے اس بیوی کی وفات ہو گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔

اس سے مراد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ وہ سخاوت میں ممتاز تھیں۔

فائدہ: قرآن کریم میں اللہ تعالی کی ذات کے لئے ید، وجہ، عین، ساق، نفس وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں جو بظاہر صفتیں نہیں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان کے بارے میں تین موقف ہیں۔

موقف نمبر 1: متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف "اَلتَّفۡوِیۡضُ مَعَ تَنۡزِیۡهِ اللهِ تَعَالٰی عَنۡ مُّشَابَهَةِ الۡمَخۡلُوۡقَاتِ" ہے یعنی یہ کلمات صفات متشابہات ہیں، ان کلمات متشابہات کا معنی ہمیں معلوم نہیں، ہم ان کے معانی و مفاہیم کو اللہ تعالی کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالی کے لئے ید، عین، ساق وغیرہ صفات ثابت ہیں مگر مخلوق وغیرہ کی مشابہت سے پاک ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں:

"فَمَا ذَکَرَ اللهُ فِی الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ ذِکۡرِ الۡوَجۡهِ وَالۡیَدِ وَالۡعَیۡنِ فَهُوَ لَهٗ صِفَاتٌ وَلَا یُقَالُ اِنَّ یَدَهٗ قُدۡرَتُهٗ اَوۡ نِعۡمَتُهٗ لِاَنَّ فِیۡهِ اِبۡطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ

قَوْلُ اَهْلِ الْقَدَرِ وَالْاِعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهٗ صِفَتُهٗ بِلَا كَيْفٍ" (الفقہ الاکبر مع الشرح ص36، 37)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو "وجہ، ید اور عین" کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ کی صفات ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ " ید" سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے' کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے' (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا ید اس کی صفت بلا کیف ہے۔

موقف نمبر 2: غیر مقلدین کا موقف ہے کہ ید، عین، ساق وغیرہ کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱): محمد یحییٰ گوندلوی صاحب لکھتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔ (عقیدہ مسلم از محمد یحیی گوندلوی؛ ص 177)

اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں۔ (عقیدہ مسلم از محمد یحیی گوندلوی؛ ص 179)

(۲) علامہ عثیمین آیت "فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الصحیح ان المراد بالوجه هنا وجه الله الحقیقی ای الی ایّ جهة تتوجهون فثم وجه الله سبحانه وتعالیٰ"

(شرح عقیدۃ واسطیۃ: ص 156)

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ یہاں "وجہ" سے مراد اللہ کا حقیقی چہرہ ہے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہو گا کہ جس جہت کی طرف تم توجہ کرو اسی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا چہرہ ہے۔

(۳) خلیل ہراس لکھتے ہیں:

" تَضَمَّنَتْ هَاتَانِ الْآيَتَانِ إِثْبَاتَ الْيَدَيْنِ صِفَةً حَقِيقِيَّةً لَهُ سُبْحَانَهُ عَلَى مَا يَلِيقُ بِهِ."

(شرح عقیدۃ واسطیۃ لخلیل ہراس: ص 61)

ترجمہ: یہ دو آیتیں (یعنی "مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" اور "بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ") اللہ تعالیٰ کے لیے دو ہاتھوں کو صفت حقیقی کے طور پر ثابت کرتی ہیں جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

موقف نمبر 3: متاخرین اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ یہ کلمات صفات متشابہات ہیں اور ان کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، ہم ان کے معانی میں مناسب تاویل درجۂ ظن میں کرتے ہیں۔

سوال: صفات میں تاویل تو معتزلہ کا قول ہے جیسا کہ امام صاحب سے "الفقہ الاکبر" میں منقول ہے۔

جواب: معتزلہ درجۂ یقین میں جبکہ متاخرین درجۂ ظن میں تاویل کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1: متقدمین اور متاخرین کے مابین نزاع لفظی ہے کیونکہ متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ صفات کے معنی مؤول کو درجہ یقین میں قبول نہیں کرتے' جبکہ متاخرین اہل السنۃ معنیٔ مؤول کو درجۂ ظن میں قبول کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2: متاخرین نے یہ موقف عوام الناس کو اہل بدعت (مجسمہ) کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اختیار کیا، کیونکہ اہل بدعت (مجسمہ) ظاہر الفاظ سے عوام کو دھوکا دیتے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء کو ثابت کرتے تھے۔ چنانچہ امام ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

"هٰذَا التَّاوِيْلُ لِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ صَرْفِ فَهْمِ الْعَامَّةِ عَنِ الْجِسْمِيَّةِ وَهُوَ يُمْكِنُ اَنْ يُّرَادَ وَلَا يُجْزَمُ بِاِرَادَتِهٖ"

(المسایرۃ مع المسامرۃ لابن الہمام ص 48 الاصل الثامن)

ترجمہ: ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے' عوام کی فہم کو "عقیدۂ جسمیت" سے بچانے کے لئے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اور اس پر جزم (یقین) نہ کیا جائے۔

فائدہ نمبر3: بوقتِ ضرورت تشابہات میں تاویل کرنا متاخرین سے ہی نہیں بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین سے بھی ثابت ہے۔ جیسے: "يَوۡمَ يُكۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ" کا معنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (م68ھ) "عَنۡ شِدَّةٍ" فرماتے تھے۔

(فتح الباری: ج13 ص524، باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ)

فائدہ نمبر4: سلف سے مراد 300 ہجری کے آخر تک کے محققین ہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"فَالۡحَدُّ الۡفَاصِلُ بَيۡنَ الۡمُتَقَدِّمِ وَالۡمُتَاَخِّرِ هُوَ رَاۡسُ سَنَةِ ثَلَاثِ مِاَةٍ"

(میزان الاعتدال للامام الذہبی: ج1 ص48، مقدمۃ المصنف)

ترجمہ: متقدمین ومتاخرین کے درمیان حدِ فاصل تین سو ہجری کا آخر ہے۔

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ:

1: اَللّٰهُ الصَّمَدُ (سورۃ اخلاص: 2)

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے۔

صمد کہتے ہیں: "[اَلَّذِیۡ] لَا يَحۡتَاجُ اِلٰی اَحَدٍ وَيَحۡتَاجُ اِلَيۡهِ كُلُّ اَحَدٍ"

(تفسیر المدارک للامام النسفی ج2 ص842 تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)

ترجمہ: جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔

اللہ تعالی موجود ہونے میں جسم کے، سننے میں کان کے، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہذا اللہ تعالی جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہیں۔

2: متشابہ کی دو قسمیں ہیں:

ا: غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات الٓم، حٰم، ن وغیرہ۔

۲: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے "ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ۔" (سورۃ حدید: 4)

اگر ہم ان کلمات ید، عین وغیرہ سے اعضاء مجہول الکیفیۃ مراد لیں تو متشابہ کی ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم معلوم المعنی معلوم المراد مجہول الکیفیۃ لازم آئے گی' جبکہ تشابہ کی تیسری قسم باطل ہے اور مستلزم باطل بھی باطل ہوتا ہے۔

3: معنی جنس، نوع کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ "ید" جو کہ اسم جنس ہے کا معنی "جارحہ" ہے جو کہ بالاتفاق حادث ہے۔ اگر ید اللہ سے بھی یہی معنی مراد ہو تو اللہ تعالی کا حادث ہونا لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالی کی ذات قدیم ہے۔

4: ان کلمات کے حقیقی معنی مگر مجہول الکیفیۃ مراد لینے سے تناقض اور تضاد لازم آئے گا کیونکہ حقیقی معنی مجہول الکیفیۃ نہیں بلکہ معلوم الکیفیۃ ہے۔ تناقض باطل ہوتا ہے اور جو چیز مستلزم باطل ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے۔

5: اگر صفات کے لئے کیفیات ثابت کر دی جائیں اگرچہ مجہول ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالی کے لئے جسم لازم آئے گا' کیونکہ کیفیات اجسام کے ساتھ خاص ہیں۔

چنانچہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

"فَاِنَّ الَّذِیۡ يَجِبُ عَلَيۡنَا وَعَلٰی كُلِّ مُسۡلِمٍ اَنۡ يَّعۡلَمَهٗ اَنَّ رَبَّنَا لَيۡسَ بِذِیۡ صُوۡرَةٍ وَلَا هَيۡئَةٍ فَاِنَّ الصُّوۡرَةَ تَقۡتَضِی الۡكَيۡفِيَّةَ وَهِیَ عَنِ اللّٰهِ وَعَنۡ صِفَاتِهٖ مَنۡفِيَّةٌ۔" (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج2 ص21، باب ما ذکر فی الصورۃ)

ترجمہ: جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے' وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت والا ہے نہ ہیئت والا۔ کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے

اور اس کیفیت کی اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے نفی کی گئی ہے۔

اشکال: امام مالکؒ سے جب استواء کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفُ مَجْھُوْلٌ وَالْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ وَالسُّوَالُ عَنْہُ بِدْعَۃٌ۔

(شرح العقیدہ الطحاویہ لابن ابی العزج 1ص188 ' الرد علی الجھمیۃ لابن مندہ: ص104)

ترجمہ: استواء معلوم ہے' کیفیت مجہول ہے' اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

امام مالکؒ نے استواء ثابت کر کے مجہول الکیفیت قرار دیا ہے لہذا صفات باری کے حقیقی معنی مراد لے کر مجہول الکیفیت قرار دینا درست ہے۔

جواب: یہ مقولہ امام مالکؒ سے ثابت ہی نہیں۔

(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات ج2ص151)

امام بیہقیؒ نے کتاب الاسماء والصفات ج2ص150 اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری ج13ص498 باب وکان عرشہ علی الماء میں بسند جید امام مالکؒ کا صحیح قول نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالکؒ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور امام مالکؒ سے کہنے لگا:

یَا اَبَا عَبْدِاللّٰہِ ! اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی، کَیْفَ اسْتِوَاءُہٗ؟

اے ابو عبد اللہ! رحمن عرش پر مستوی ہے' اس کا استواء کیسے ہے؟

ابن وہبؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے سر جھکا لیا اور آپ کو پسینہ آ گیا۔ پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی کَمَا وَصَفَ نَفْسَہٗ لَا یُقَالُ کَیْفَ؛ وَ کَیْفَ عَنْہُ مَرْفُوْعٌ

رحمن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے' یہ نہ کہا جائے کہ کیسے؟ (یعنی کیفیت کی نفی کی جائے) اور اللہ سے کیفیت مرفوع ہے (یعنی کیفیت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بولا جاتا)

اسی طرح امام ابو بکر بیہقیؒ اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ولید بن مسلم کے طریق سے نقل کیا ہے کہ امام اوزاعیؒ امام مالکؒ امام سفیان ثوریؒ اور امام لیث بن سعدؒ سے ان احادیث سے متعلق سوال کیا گیا جن میں اللہ کی صفات کا بیان ہے تو انہوں نے فرمایا:

اَمِرُّوْھَا کَمَا جَاءَتْ بِلَا کَیْفِیَّۃٍ

ترجمہ: یہ احادیث جیسے آئی ہیں ویسے بیان کرو کیفیت کے بغیر۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج2ص198، فتح الباری لابن حجر ج13ص498 باب وکان عرشہ علی الماء)

تو امام مالک سے مروی درج بالا روایات میں "کیف" کی باقاعدہ نفی ہے۔

اشکال: جب اللہ تعالیٰ مشابہاتِ مخلوق سے پاک ہیں تو قرآن و حدیث میں ایسے الفاظ کیوں استعمال کئے گئے جو انسان کو وہم میں ڈال دیتے ہیں؟

جواب: علامہ ابن جوزیؒ نے "دفع شبہ التشبیہ" میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی طبیعت پر محسوسات اتنے غالب ہو گئے تھے کہ لوگ محسوسات کے بغیر اپنے الٰہ کو سمجھتے نہیں تھے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے عرض کیا تھا: اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰـھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ (سورہ اعراف 138) کہ ہمارے لئے بھی معبود بنائیے جس طرح ان کے معبود ہیں' اور مشرکین کے سوال "اللہ تعالیٰ کیا ہے؟" کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ o اَللّٰہُ الصَّمَدُ○ کہہ دیجئے! اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔

اگر اس وقت ان کلمات کو ذکر کئے بغیر کہا جاتا: "اَللّٰہُ لَیْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْھَرٍ وَلَا عَرْضٍ وَلَا طَوِیْلٍ وَلَا عَرِیْضٍ وَلَا یَشْغُلُ

الْاَمْكِنَةُ وَلَا يَحْوِيْهِ مَكَانٌ وَلَا جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السِّتَّةِ"(اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ جوہر، نہ طویل، نہ عریض، نہ امکنہ میں اتر کر ان کو بھر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہات ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے) تو عام آدمی سمجھ نہ سکتا۔

(دفع شبہ التشبیہ للامام ابن الجوزی: ص107)

فائدہ:

حضرت مولانا سید شاہ حسن دیوبندی (م 1391ھ) "الفقہ الاکبر" کی عربی شرح "احسن الفوائد" میں تحریر فرماتے ہیں:

فالاعیان: کل ممکن له قیام بذاته ای لیس تحیزه تابعاً لتحیز غیره ویقال له الجوهر، والاعراض: کل ممکن له قیام بالغیر ای یکون تحیزه تابعاً لتحیز الغیر ویقال له العرض. فالاعیان اِمّا مرکب من جزئین فصاعداً وهو المسمیٰ بالجسم، او غیر مرکب وهو الجوهر الفرد الذی لا یقبل القسمة لا فعلاً ولا وهماً ولا فرضاً وهو المسمیٰ بالجزء الذی لا یتجزء.

(احسن الفوائد فی شرح الفقہ الاکبر: ص76 . طبع مکتبہ شمس العلوم ژوب بلوچستان)

ترجمہ: "عین" ہر وہ ممکن چیز ہے جس کا قیام ذاتی ہو یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسری چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع نہ ہو، اس کو "جوہر" بھی کہتے ہیں۔ "عرض" ہر اس ممکن چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی وجہ سے قائم ہو، یعنی اس کا کسی جگہ میں ہونا کسی دوسرے چیز کے اس جگہ میں ہونے کے تابع ہو۔ پھر "عین" اگر دو یا دو سے زائد اجزاء سے مرکب ہو تو "جسم" ہے، اگر مرکب نہ ہو تو "جوہرِ فرد" ہے جو کسی طرح بھی تقسیم کو قبول نہیں کرتا، نہ فعلاً، نہ وھماً، نہ فرضاً اور اسی کو "جزء لا یتجزیٰ" کہتے ہیں۔

مسئلہ استواء علی العرش

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک "استواء علی العرش" اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کے حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور قرآن مجید میں اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

فَاَمَّا الْاِسْتِوَاءُ فَالْمُتَقَدِّمُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا كَانُوْا لَا يُفَسِّرُوْنَهٗ وَلَا يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج2 ص150)

ترجمہ: "رہا استواء کا مسئلہ تو ہمارے متقدمین حضرات نہ اس کی تفسیر کرتے تھے اور نہ ہی اس میں کوئی کلام فرماتے تھے۔"

جبکہ غیر مقلدین کے ہاں استواء علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حقیقتاً فوق العرش ہونا مراد ہے۔

(عقیدہ مسلم از محمد یحیٰ گوندلوی: ص219، آیئے عقیدہ سیکھئے از طالب الرحمن شاہ ص39)

فائدہ: اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے

اگر کوئی شخص سوال کرے "اَيْنَ اللّٰهُ؟" (اللہ کہاں ہے؟) تو اس کا جواب یہ دینا چاہیے: "هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا جِسْمٍ وَّ مَكَانٍ وَّجِهَةٍ" کہ اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے۔ یہ اہل السنت والجماعت کا موقف و نظریہ ہے جس پر دلائلِ عقلیہ و نقلیہ موجود ہیں۔

فائدہ: "هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلَا جِسْمٍ وَّ مَكَانٍ وَّجِهَةٍ" یہ تعبیر اہل علم حضرات کی ہے، اسی لیے طلبہ کو سمجھانے کے لیے "اللہ تعالیٰ بلا جسم، بلا مکان اور بلا جہت موجود ہے" کہہ دیا جاتا ہے۔ عوام الناس چونکہ ان اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے اس لیے اس عقیدہ کو عوامی ذہن کے پیش نظر "اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے" یا "اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

اہل السنۃ کے دلائل:

آیاتِ قرآنیہ:

1: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (سورۃ البقرۃ: 115)

ترجمہ: مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جس طرف پھر جاؤ ادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔

2: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ (سورۃ البقرۃ: 186)

ترجمہ: جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں۔

سوال ذات کے بارے میں ہے تو جواب بھی ذات کے بارے میں ہے نہ کہ علم اور قدرت کے بارے میں۔

فائدہ: عرش بعید ہے کیونکہ ہمارے اوپر سات آسمان ہیں، ان پر کرسی ہے، کرسی پر سمندر ہے، سمندر کے اوپر عرش ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی ج2 ص145)

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱: اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔ ۲: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ ۳: وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔

3: يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ۔ (النساء:108)

ترجمہ: وہ شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جب کہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں۔

4: اِنَّ رَبِّىْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (ہود:61)

ترجمہ: بے شک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔

5: وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِىْٓ اِلَىَّ رَبِّىْ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ (سبا:50)

ترجمہ: اور اگر میں صحیح راستے پر ہوں تو یہ بدولت اس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہا ہے وہ سب کچھ سنتا بہت قریب ہے۔

6: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (سورہ واقعہ:85)

ترجمہ: تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔

7: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (سورہ ق:16)

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب توجیہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی عجیب توجیہ فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

"مثلاً جو دو کاغذ گوند سے چپکا دیے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن آخر میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں، پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہاری ہستی کے درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے۔ اور یہی حاصل تھا تمہارے ساتھ بنسبت تمہاری جان ہونے کا۔ پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھایا گیا۔ یہ بہت موٹی بات ہے کہ کوئی قیل و قال کی گنجائش نہیں۔"

(خطباتِ حکیم الامت: ج17 ص431 عنوان: اقربیت کا مفہوم)

8: وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (سورہ حدید:4)

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہو، وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

9: مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوْا۔

(سورۃ المجادلۃ:7)

ترجمہ: کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (اللہ) نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

10: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ (سورہ ملک:16)

ترجمہ: کیا تم کو اس (اللہ تعالی) کا جو آسمان میں ہے، خوف نہیں رہا۔

اعتراض: جب ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں معیت کا ذکر ہے تو غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس سے "معیت علمیہ" مراد ہے مثلاً وَهُوَ مَعَكُمْ ای عِلْمُهٗ مَعَكُمْ، اور اس پر دلیل یہ ایسی آیات پیش کرتے ہیں: "اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ الآیۃ (الحج:70)"

جواب: اولاً..... معیت علمیہ لازم ہے معیت ذاتیہ کو، جہاں ذات وہاں علم، رہا غیر مقلدین کا "اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ" وغیرہ کی بناء پر یہ کہنا کہ اس سے علم مراد ہے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس میں ذات کی نفی کہاں ہے؟ بلکہ اثباتِ علم سے تو معیتِ ذاتیہ ثابت ہو گی بوجہ تلازم کے۔

ثانیاً..... غیر مقلدین سے ہم پوچھتے ہیں کہ جب "اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ" یا "یَدُاللّٰہِ" جیسی آیات کو تم ظاہر پر رکھتے ہو، تاویل نہیں کرتے تو یہاں "وَهُوَ مَعَكُمْ" [جس میں "ھو" ضمیر برائے ذات ہے] جیسی آیات میں تاویل کیوں کرتے ہو؟

احادیث مبارکہ:

1: عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نُخَامَةً فِیْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ يُصَلِّیْ بَيْنَ يَدَیِ النَّاسِ فَحَتَّهَا ثُمَّ قَالَ حِيْنَ انْصَرَفَ: اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ فِی الصَّلٰوةِ فَاِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ اَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهٖ فِی الصَّلٰوةِ.

(صحیح البخاری ج1 ص104 باب ھل یلتفت لامر ینزل بہ الخ، صحیح مسلم ج1 ص207 باب النہی عن البصاق فی المسجد الخ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے قبلہ (کی جانب) میں کچھ تھوک دیکھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے آگے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اس کو صاف کر دیا۔ اس کے بعد جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جب کوئی شخص نماز میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے' لہذا کوئی شخص نماز میں اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے۔

2: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا اسْتَوٰی عَلٰی بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلٰی سَفَرٍ كَبَّرَ ثَلَاثًا قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. اَللّٰهُمَّ نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی الْاَهْلِ الحدیث. (صحیح مسلم ج۱ ص۴۳۴ باب استحباب الذکر اذا رکب دابۃ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں سفر پر جانے کے لیے اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر یہ دعا پڑھتے: پاک ہے وہ پروردگار جس نے اس جانور (سواری) کو ہمارے تابع کر دیا اور ہم اس کو دبا نہ سکتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جانے والے ہیں۔ یا اللہ! ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی' پرہیزگاری اور ایسے کام جسے تو پسند کرے، کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی لمبان کو ہم پر تھوڑا کر دے۔ یا اللہ! تو رفیق ہے سفر میں اور محافظ ہے گھر میں۔

3: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: يَا ابْنَ اٰدَمَ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ، قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ؟ قَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ؟ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَهٗ؟

(صحیح مسلم ج2 ص318 باب فضل عیادۃ المریض، صحیح ابن حبان ص189، رقم الحدیث269)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ بندہ کہے گا میں آپ کی بیمار پرسی عیادت کیسے کرتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ تو اللہ فرمائیں گے کہ میرا فلاں بندہ

بیمار تھا' تونے اس کی بیمار پرسی نہیں کی۔ تجھے پتا ہے کہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے وہاں پاتا۔

4: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ. (جامع الترمذی: ج2 ص14 باب ماجاء فی رحمۃ الناس)

ترجمہ: "تم زمین والوں پر رحم کرو، جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔"

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالی کا آسمان میں ہونا بتلایا گیا ہے، غیر مقلدین کا عقیدہ کہ اللہ صرف عرش پر ہے، اس سے باطل ہو گیا۔

5: عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: مَنِ اشْتَکٰی مِنْکُمْ شَیْئًا اَوِ اشْتَکَاہُ اَخٌ لَّہٗ فَلْیَقُلْ: رَبُّنَا اللّٰہُ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ، اَمْرُكَ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ کَمَا رَحْمَتُكَ فِی السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِی الْاَرْضِ، اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَایَانَا، اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ، اَنْزِلْ رَحْمَۃً مِّنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلٰی ھٰذَا الْوَجَعِ فَیَبْرَاُ. (سنن ابی دائود ج2ص187باب کیف الرقی)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا' آپ ﷺ فرمارہے تھے: تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا کوئی دوسرا بھائی اس سے اپنی بیماری بیان کرے تو یہ کہے کہ رب ہمارا وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے۔ اے اللہ! تیرا نام پاک ہے اور تیرا اختیار زمین و آسمان میں ہے' جیسے تیری رحمت آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں رحمت کر۔ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے۔ تو پاک لوگوں کا رب ہے۔ اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت اور اپنی شفاؤں میں سے ایک شفاء اس درد کے لیے نازل فرما کہ یہ درد جاتا رہے۔

6: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ یَقُوْلُ: بَعَثَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مِنَ الْیَمَنِ بِذُھَیْبَۃٍ فِیْ اَدِیْمٍ مَقْرُوْظٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِھَا قَالَ فَقَسَمَھَا بَیْنَ اَرْبَعَۃِ نَفَرٍ بَیْنَ عُیَیْنَۃَ بْنِ بَدْرٍ وَاَقْرَعَ بْنِ حَابِسٍ وَزَیْدِ الْخَیْلِ وَالرَّابِعِ اِمَّا عَلْقَمَۃَ وَاِمَّا عَامِرِ بْنِ الطُّفَیْلِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِہٖ کُنَّا نَحْنُ اَحَقُّ بِھٰذَا مِنْ ھٰؤُلَاءِ قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: اَلَا تَاْمَنُوْنِیْ وَاَنَا اَمِیْنُ مَنْ فِی السَّمَاءِ یَاْتِیْنِیْ خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَّمَسَاءً الحدیث

(صحیح بخاری ج2 ص624 باب بعث علی بن ابی طالب الخ، صحیح مسلم ج1 ص341 باب اعطاء المولفۃ ومن یخاف الخ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے حضرت علیؓ نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کے پاس رنگے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں تھوڑا سا سونا بھیجا' جس کی مٹی اس سونے سے جدا نہیں کی گئی تھی (کہ تازہ کان سے نکلا تھا) آپ ﷺ نے اسے چار آدمیوں عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید بن خیل اور چوتھے علقمہ یا عامر بن طفیل کے درمیان تقسیم کر دیا، آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم اس سونے کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟ حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔ میرے پاس صبح و شام آسمان کی خبریں آتی ہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بتلایا گیا ہے غیر مقلدین کا عقیدہ کہ اللہ عرش پر ہے اس سے باطل ہو گیا۔

7: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک نقل کرتے ہیں:

لَوْ اَنَّکُمْ دَلَّیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ السُّفْلٰی لَھَبَطَ عَلَی اللّٰہِ. (جامع الترمذی ج2 ص165 تفسیر سورۃ حدید)

ترجمہ: اگر تم ایک رسی زمین کے نیچے ڈالو تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جائے گی۔

فائدہ: رسی کا زمین کے نیچے اللہ تعالی کے پاس جانا دلیل ہے کہ ذات باری تعالی صرف عرش پر نہیں جیسا کہ غیر مقلدین کا عقیدہ ہے بلکہ ہر کسی کے ساتھ موجود ہے۔

8: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے 'لوگ اونچی آواز سے تکبیریں کہنے لگے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ ،اِنَّکُمْ لَیْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا ،اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَہٗ سَمِیْعاً قَرِیْباً وَھُوَ مَعَکُمْ ۔"

(صحیح مسلم؛ج2ص346باب استحباب خفض الصوت بالذکر)

ترجمہ: "اپنی جانوں پر نرمی کرو! تم بہرے وغائب کو نہیں پکار رہے، تم جسے پکار رہے ہو وہ سننے والا، قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔"

فائدہ:

اگر قرب سے مراد "قرب علمی" ہوتا تو "قریباً" کہنے پر اکتفاء ہو جاتا لیکن "وَھُوَ مَعَکُمْ" فرما کر "قربِ ذاتی" کی طرف اشارہ فرما دیا۔ اسی طرح اگر مراد صرف "قربِ وصفی" ہوتا تو "اَصَمَّ" کے بعد "وَلَا غَائِبًا" نہ فرماتے۔

9: حضرت عبد اللہ بن معاویہ ؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ سے پوچھا گیا:

"فَمَا تَزْکِیَۃُ الْمَرْءِ نَفْسَہٗ یَارَسُوْلَ اللہِ!" قَالَ: اَنْ یَعْلَمَ اَنَّ اللہَ مَعَہٗ حَیْثُمَا کَانَ۔

(السنن الکبری للبیہقی ج4ص95، 96باب لا یاخذ الساعی 'شعب الایمان للبیہقی ج3ص187باب فی الزکوۃ)

ترجمہ: آدمی کے اپنے نفس کا "تزکیہ" کرنے سے کیا مراد ہے ؟تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان یہ یقین بنالے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔

10: عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ :اِنَّ اَفْضَلَ الْاِیْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللہَ مَعَکَ حَیْثُمَا کُنْتَ۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ج6ص287رقم الحدیث8796)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ایمان یہ ہے کہ تو یہ یقین بنالے کہ اللہ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں بھی ہو۔

عقلی دلائل:

1: اللہ تعالیٰ خالق ہے اور عرش مخلوق ہے، خالق ازل سے ہے۔ اگر اللہ تعالی کو عرش پر مانا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ جب عرش نہیں تھا تو اللہ تعالی کہاں تھے ؟

2: حقیقتاً مستوی علی العرش ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ عرش کے محاذات میں ہوں گے۔

ب: عرش سے متجاوز ہوں گے۔

ج: عرش سے کم ہوں گے۔

اگر عرش کے محاذات میں مانیں تو عرش چونکہ محدود ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا' اور متجاوز مانیں تو اللہ تعالیٰ کی تجزی یعنی تقسیم لازم آئے گی (اور تجزی یعنی تقسیم جسم کی ہوتی ہے اور جسم حادث ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے) اور اگر عرش سے کم مانیں تو عرش یعنی مخلوق کا اللہ تعالیٰ یعنی خالق سے بڑا ہونا لازم آئے گا' جبکہ یہ تینوں صورتیں محال اور ناممکن ہیں۔

3: اللہ تعالیٰ خالق ہیں جو کہ غیر محدود ہیں، عرش مخلوق ہے جو کہ محدود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو غیر محدود کا محدود میں سمانا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

4: اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم کی ہے اور اللہ تعالی جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں۔

5: اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لئے مکان ہو گا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان مکین سے بڑا

ہوتا ہے، اس عقیدہ سے " اللہ اکبر " والا عقیدہ ٹوٹ جائے گا۔

6: اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہتِ فوق لازم آئے گی اور جہت کو حد بندی لازم ہے۔ حد بندی محدود کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ غیر محدود ہیں۔

7: حد بندی کو جسم لازم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔

8: اگر اللہ تعالیٰ کو فوق العرش مانیں تو عرش اس کے لئے مکان ہو گا اور مکان اپنے مکین کو محیط ہوتا ہے اور مکین محاط ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں محاط نہیں، قرآن کریم میں ہے: "وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۔" کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

مسلک اہل السنت پر اعتراضات کے جوابات:

اعتراض نمبر 1:

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانا جائے تو کیا اللہ تعالیٰ بیت الخلاء میں بھی موجود ہے؟ اگر کہیں کہ "نہیں" تو ہر جگہ ہونے کا دعویٰ ٹوٹ گیا اور اگر کہیں "ہے" تو اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔

جواب نمبر 1: بعض چیزوں کو اجمالاً بیان کریں تو مناسب اور ادب ہے، اگر تفصیلات بیان کریں تو خلافِ ادب ہے۔ مثلاً:

مثال نمبر 1: سسر اپنے داماد کو کہے: "میری بیٹی کے حقوق کا خیال رکھنا"، تو اجمالاً قول ہونے کی وجہ سے یہ ادب ہے لیکن اگر وہ تمام حقوق ایک ایک کر کے گنوانا شروع کر دے تو یہ خلاف ادب ہے۔

مثال نمبر 2: "سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کا خالق اللہ ہے" یہ کہنا ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک عضو کا نام لے کر یہی بات کہی جائے تو یہ خلافِ ادب ہے۔

اسی طرح "اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے" یہ اجمالاً کہنا تو مذکورہ قاعدہ کی رو سے درست اور ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک جگہ کا جس میں ناپسندیدہ جگہیں بھی شامل ہوں، نام لے کر کہا جائے تو یہ بے ادبی ہونے کی وجہ سے غلط ہو گا۔ لہذا ایسا سوال کرنا ہی غلط، نامناسب اور ناجائز ہے۔

جواب نمبر 2: یہ اعتراض تب پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو وجود بمعنی "جسم" کے ساتھ مانیں جیسے قرآن کریم کو بیت الخلاء میں لے کر جانا قرآن کی توہین اور بے ادبی ہے حالانکہ ہر حافظ جب بیت الخلاء جاتا ہے تو قرآن اس کے سینے میں موجود ہوتا ہے لیکن بے ادبی نہیں، کیونکہ قرآن جسم سے پاک ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ موجود بلا جسم ہیں۔

جواب نمبر 3: رمضان مبارک کا مہینہ ہر جگہ مبارک ہے۔ اگر کوئی شخص پوچھے کہ بیت الخلاء میں رمضان ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر جگہ رمضان نہیں، اگر ہے تو بیت الخلاء میں بابرکت کیسے؟ تو اس کا یہ سوال لغو ہو گا کیونکہ جب رمضان کا جسم نہیں ہے تو ہر جگہ ماننے میں کوئی بے ادبی نہ ہو گی اور یہ ہر جگہ بابرکت ہو گا۔ اسی طرح جب اللہ کا جسم نہیں تو ہر جگہ ماننے میں بے ادبی نہیں۔

اعتراض نمبر 2:

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانیں تو اس سے حلول اور اتحاد لازم آئے گا۔

جواب: حلول اور اتحاد تب لازم آئے گا جب اللہ تعالی کے لئے جسم مانا جائے، جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں۔

فائدہ: دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ہر ایک کا وجود باقی رہے "اتحاد" کہلاتا ہے جیسے آملیٹ اور دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ایک چیز کا وجود ختم ہو جائے "حلول" کہلاتا ہے جیسے شربت۔

غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات:

قرآنی آیات:

1: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ (سورہ حدید 4، سورہ رعد: 2، طٰہٰ: 5، سجدہ: 4)

جواب نمبر 1: اس کا معنی "عرش پر اللہ کا غالب ہونا" ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا معنی: "اَیْ عَلَا عَلَی الْعَرْشِ" (صحیح بخاری: کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء) نقل کیا ہے اور عربی زبان میں "استویٰ" بمعنی "غالب ہونا" استعمال ہوتا رہتا ہے۔ ایک شاعر نے بشر بن مروان کی مدح میں یہ شعر کہا تھا:

قَدِ اسْتَوٰی بِشْرٌ عَلَی الْعِرَاقِ
مِنْ غَیْرِ سَیْفٍ وَّ دَمٍ مُّھْرَاقٖ

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص153)

ترجمہ: بشر بن مروان نے بغیر جنگ اور خونریزی کے عراق پر غلبہ پالیا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فَلَمَّا عَلَوْنَا وَ اسْتَوَیْنَا عَلَیْھِمْ
جَعَلْنَاھُمْ مَرْعٰی لِنَسْرٍ وَّ طَائِرٖ

(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ج2 ص154)

ترجمہ: جب ہم ان پر چڑھ دوڑے اور ان پر غلبہ پالیا تو انھیں (ٹکڑے ٹکڑے کرکے) گدھوں اور پرندوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیا۔

اشکال: اگر کوئی کہے کہ عرش کی کیا تخصیص ہے، جب کہ اللہ تو آسمان، زمین اور دیگر مخلوقات پر بھی غالب ہے، تو عرش کو خاص کیوں کیا گیا؟

جواب: عرش کائنات کا مکانِ آخر ہے تو مکانِ آخر تک غلبہ بتانے کے لیے عرش کا ذکر کیا۔ جیسے ایک آدمی کے پاس سائیکل، موٹر سائیکل اور کار ہو تو وہ اپنی ملکیت اور مالی رتبہ بتانے کے لیے یہ کہے: "میرے پاس کار ہے" تو اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے پاس سائیکل اور موٹر سائیکل رکھنے کی اہلیت نہیں۔

جواب نمبر 2: اگر استویٰ علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حقیقتاً عرش پر ہونا مراد لیں تو قرآن کریم کی بہت ساری ان آیات کا ان آیات سے تعارض لازم آتا ہے جن میں اللہ تعالی کے فوق العرش ہونے کی بجائے فی السماء یا ہر جگہ ہونے کا ذکر موجود ہے جیسے:

"وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ" (سورہ البقرۃ: 115)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں، لہذا جس طرف بھی تم رخ کروگے وہیں اللہ کا رخ ہے۔

"وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" (سورہ ق: 16)

ترجمہ: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

"ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ" (سورۃ الملک: 16) [کیا تم کو اس (اللہ تعالیٰ) کا جو آسمان میں ہے، خوف نہیں رہا]

وغیرہ کا اس آیت سے تعارض لازم آتا ہے، جبکہ قرآن کریم میں قطعاً تعارض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

"وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافاً کَثِیْراً۔" (سورۃ النساء: 82)

ترجمہ: اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔

جواب نمبر3: بہتر یہ ہے کہ جواب یوں دیا جائے کہ یہ تشابہات میں سے ہے اور اس کا معنی اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔اس پر کسی قسم کا اشکال نہ ہو گا اور آیات کا تعارض بھی لازم نہیں آئے گا۔

:2 وہ تمام آیات جن سے اللہ تعالیٰ کا جہتِ علو یعنی جانبِ بلندی کی طرف ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً

:1 اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ (سورہ فاطر:10)

ترجمہ: اسی کی طرف پاکیزہ کلام چڑھتا ہے۔

جواب: یہ کنایہ حسنِ قبول سے ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر البیھقیؒ فرماتے ہیں:

صُعُوۡدُ الۡکَلِمِ الطَّیِّبِ وَالصَّدَقَۃِ الطَّیِّبَۃِ اِلَی السَّمَاءِ عِبَارَۃٌ عَنۡ حُسۡنِ الۡقُبُوۡلِ لَھُمَا.

(کتاب الاسماء والصفات ج2ص168)

کلمات طیبہ اور صدقہ طیبہ کا آسمان کی طرف چڑھنا ان کے حسنِ قبول سے عبارت ہے۔

:2 وَھُوَ الۡقَاھِرُ فَوۡقَ عِبَادِہٖ (سورۃ الانعام:18)

ترجمہ: وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اللہ غالب تب ہو گا جب سب سے اوپر ہو۔

جواب: فوقیت سے مراد فوقیتِ حسی نہیں بلکہ فوقیتِ مرتبہ اور فوقیتِ قدرت ہے۔ دلیل اس پر "وَھُوَ الۡقَاھِرُ" ہے جیسے غلام دوسری منزل پر اور آقا پہلی منزل پر ہو تو کہتے پھر بھی یہی ہیں کہ آقا اپنے غلام پر غالب ہے۔

:3 ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَاءِ (سورۃ الملک:16)

ترجمہ: کیا تم کو اس (اللہ) کا جو آسمانوں میں ہے، خوف نہیں رہا۔

جواب نمبر1: مَنۡ فِی السَّمَاءِ سے مَنۡ عَظُمَ شَانُہٗ مراد ہے۔

جواب نمبر2: اگر اس کا حقیقی معنی ہی مراد لیں تو پھر بھی یہ غیر مقلدین کے موقف فوق علی العرش کے خلاف ہے۔

:4 تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ اِلَیۡہِ (سورۃ المعارج: 4)

جواب: محل امر مراد ہے کہ وہاں سے فرشتے امر لاتے ہیں۔

:5 بَلۡ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیۡہِ (سورۃ النساء:158)

ترجمہ: بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

جواب: امام ابوعبد اللہ محمد بن احمد القرطبیؒ نے اس آیت کی بہترین تفسیر اور مطلب بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"اَیۡ اِلَی السَّمَاءِ وَاللّٰہُ تَعَالٰی مُتَعَالٍ عَنِ الۡمَکَانِ." (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج2ص12)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ فرقہ مُشبِّہ (جو اللہ تعالیٰ کے لیے اس آیت سے جہت ثابت کرتے ہیں) کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اَلۡمُرَادُ الرَّفۡعُ اِلٰی مَوۡضِعٍ لَا یَجۡرِیۡ فِیۡہِ حُکۡمُ غَیۡرِ اللّٰہِ." (تفسیر الفخر الرازی ج11ص102 تحت قولہ تعالیٰ:بَلۡ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیۡہِ)

ترجمہ: "رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیۡہِ" سے مراد ایسے مقام کی طرف اٹھانا ہے جہاں غیر اللہ کا حکم نہیں چلتا۔

فائدہ: دنیا میں حقیقی اختیار ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اگر ظاہری اختیار بندے کا ہو تو نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے جیسے زکریا علیہ السلام کا

مریم علیہا السلام کا کھانا دینا لیکن جو اللہ کی طرف سے ملے جس میں بندے کو اختیار نہیں تھا اس کو﴿مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ﴾ فرمایا۔ دین میں کمی بیشی کا اختیار چونکہ بندے کے پاس نہیں، اس لیے فرمایا:﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ﴾۔ شہید کو جو بعد الموت رزق ملتا ہے اس میں بھی بندے کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا اس لئے ﴿عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ﴾ فرمایا۔ عرف میں اگر کوئی آدمی اپنے گھر سے دوسرے شہر چلا جائے تو نسبت اس کی طرف ہوتی ہے، مثلاً فلاں بندہ لاہور یا کراچی چلا گیا، لیکن اگر کوئی بندہ دنیا کو چھوڑ کر قبر میں چلا جائے تو نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلا گیا ہے کیونکہ موت میں اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے اور لاہور جانے میں ظاہری اختیار بندے کا ہے۔

احادیث مبارکہ:

1: حضرت معاویہ بن الحکم السلمیؓ فرماتے ہیں:

كَانَتۡ لِیۡ جَارِیَةٌ تَرۡعٰی غَنَمًا لِیۡ قِبَلَ اُحُدٍ وَالۡجَوَّانِیَّةِ فَاطَّلَعۡتُ ذَاتَ یَوۡمٍ فَاِذَا الذِّئۡبُ قَدۡ ذَهَبَ بِشَاةٍ عَنۡ غَنَمِهَا وَاَنَا رَجُلٌ مِنۡ بَنِیۡ اٰدَمَ اٰسَفُ كَمَا یَاۡسَفُوۡنَ لٰكِنِّیۡ صَكَكۡتُهَا صَكَّةً فَاَتَیۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و سلم فَعَظَّمَ ذٰلِكَ عَلَیَّ. قُلۡتُ: یَارَسُوۡلَ اللّٰهِ! اَفَلَا اَعۡتِقُهَا؟ قَالَ: اِئۡتِنِیۡ بِهَا. فَاَتَیۡتُهٗ بِهَا فَقَالَ لَهَا: اَیۡنَ اللّٰهُ؟ قَالَتۡ: فِی السَّمَاءِ. قَالَ مَنۡ اَنَا؟ قَالَتۡ: اَنۡتَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ. قَالَ: اَعۡتِقۡهَا فَاِنَّهَا مُؤۡمِنَةٌ.

(صحیح مسلم ج1 ص204، 203 باب تحریم الکلام فی الصلوۃ الخ)

ترجمہ: میری ایک باندی تھی' جو احد اور جوانیہ کی طرف بکریاں چراتی تھی۔ ایک دن میں وہاں آنکلا تو دیکھا کہ ایک بھیڑیا ایک بکری کو لے گیا ہے۔ آخر میں بھی آدمی ہوں مجھ کو بھی غصہ آجاتا ہے۔ میں نے اس کو ایک طمانچہ مارا۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے میرا یہ فعل بہت بڑا قرار دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اس باندی کو آزاد نہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ میں آپ ﷺ کے پاس لے کر گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یعنی آپ ﷺ کو اللہ نے بھیجا ہے) تب آپ ﷺ نے فرمایا اس کو آزاد کر دے اس لیے کہ یہ مؤمنہ ہے۔

جواب نمبر 1: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ متناً مضطرب ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات ج2 ص164، تلخیص الحبیر للامام ابن حجرؒ ج3 ص223 کتاب الکفارات)

اور متن میں اضطراب وجہ ضعف ہوتا ہے۔

(تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص234)

جواب نمبر 2: اگر اس حدیث کو سنداً و متناً صحیح و قابلِ استدلال مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث خود غیر مقلدین کے خلاف ہے کیونکہ ان کا دعویٰ تو فوق العرش ہونے کا ہے اور اس سے تو اللہ تعالیٰ کا "فِی السَّمَآءِ" ہونا لازم آتا ہے۔

جواب نمبر 3: ہر آدمی بقدر عقل مکلف ہوتا ہے۔ باندی کا جواب واقع کے مطابق درست نہ تھا' لیکن اس میں عقل ہی اتنی تھی کہ جواب اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے اس کا ایماندار ہونا تسلیم کر لیا گیا۔ لہٰذا اس سے اللہ کے محض "فِی السَّمَآءِ" ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کو موت آئی۔ جب اس کو زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے اپنے گھر والوں سے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میرے لیے بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ جلانا اور مجھے اس میں ڈال دینا' یہاں تک کہ جب آگ میرے گوشت کو کھالے اور ہڈیوں تک پہنچ جائے تو تم ان ہڈیوں کو پیس لینا اور پھر مجھے (یعنی پسی ہوئی ہڈیوں کو) کسی گرم یا کسی تیز ہوا چلنے والے دن دریا میں ڈال دینا (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا)

فَجَمَعَهُ اللّٰهُ فَقَالَ: لِمَ فَعَلۡتَ؟ قَالَ: مِنۡ خَشۡیَتِكَ فَغَفَرَ لَهٗ. (صحیح البخاری ج1 ص495 باب بلا ترجمۃ، بعد باب حدیث الغار)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو جمع کر کے فرمایا کہ تونے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا تیرے خوف کی وجہ سے۔ پس خدا نے اس کو بخش دیا۔

اس روایت میں مذکور شخص کا خوفِ خدا کی وجہ سے ایسی خلاف شریعت وصیت کرنا اور پھر اس کے گھر والوں کا اس پر عمل کرنا' واقع میں اسے اللہ کے سامنے حاضری سے نہ بچا سکا' لیکن چونکہ اس میں عقل ہی اتنی تھی لہٰذا اس کا یہ عمل وعذر اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے قبول کر کے اسے بخش دیا گیا۔ یہاں بھی ایسی خلاف شریعت وصیت کرنے' اس پر عمل اور بوجہ عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

2 : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"یَنْزِلُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا کُلَّ لَیْلَۃٍ حَتّٰی یَمْضِیَ ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاَوَّلِ."

(صحیح مسلم ج1 ص258 باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فی اللیل الخ)

ترجمہ: ہر رات اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اوپر ہے۔

جواب نمبر 1: نزول سے مراد نزولِ رحمت ہے۔

جواب نمبر 2: اگر اس کا حقیقی معنی مراد ہو تو یہ تمہارے عقیدے کے خلاف ہے کیونکہ جب آسمان پر ہوں گے تو فوق العرش نہیں ہوں گے۔

عقلی دلائل:

۱ : اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں اسی لیے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم کلام ہونے کے لئے عرش پر بلایا۔

جواب: ہم کلام ہونے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلانا اگر عرش پر ہونے کی دلیل ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلانا اللہ تعالیٰ کے کوہِ طور پر ہونے کی دلیل ہے اور ہر نمازی کا مسجد میں جا کر اللہ سے بات کرنا ہر مسجد میں ہونے کی دلیل ہے۔ کلامِ الٰہیٰ تجلیٔ الٰہی کا نام ہے' چاہے اس کے ظہور کے لئے انتخاب عرش کا ہو یا کوہ طور کا ہو یا منصور حلاجؒ کی زبان کا ہو۔

۲ : بوقت دعا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھائے جاتے ہیں جو دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہیں لیکن تمام جہات کو محیط بھی ہے' لیکن بندے کے قلبی استحضار کے لئے بعض اعمال کے لئے بعض جہات کا تعین فرما دیتے ہیں۔ جیسے نماز کے لئے جہتِ کعبہ کو قبلہ قرار دیا، دعا کے لئے جہتِ فوق کو قبلہ قرار دیا اور نہایت اعلیٰ درجہ کے قربِ الٰہی کے حصول کے لئے جہتِ ارض کو قبلہ قرار دیا اور قرآن مجید میں حکم دیا: "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ)

۳ : اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کے لئے عموماً اوپر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

جواب نمبر 1: اللہ تعالیٰ جہاتِ ستہ سے اگرچہ پاک ہیں' لیکن تمام جہات کو محیط بھی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا (سورۃ النساء:126) [اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے] اور جہاتِ ستہ میں سے جہتِ علو کو باقی جہات پر عقلاً فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے علوِ مرتبہ اور تعظیم کا خیال کرتے ہوئے اشارہ اوپر کیا جاتا ہے۔ جیسے استاذ کی آواز دورانِ سبق تمام جہات کی طرف منتقل ہوتی ہے لیکن استاد کے سامنے بیٹھ کر آواز کو سننا ادب ہے اور پیچھے بیٹھ کر سننا بے ادبی ہے۔

جواب نمبر 2: اللہ اوپر نہیں بلکہ "محل امر" اوپر ہے۔ بہر حال اس کی توجہ محل امر کی طرف ہے اور محل امر چونکہ اوپر کی طرف ہے اس لیے اشارہ بھی اوپر ہے۔

فائدہ:

یہاں چند ایک عبارات نقل کرنا ضروری ہیں جن کی بنیاد پر یہ سمجھا گیا ہے کہ "معیت" سے مراد "معیت ذاتیہ" ہے۔

[۱]: حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ (م1034ھ) فرماتے ہیں:

"اور یہ بھی مناسب نہیں کہ حق تعالیٰ کو عرش کے اوپر جانیں اور فوق کی طرف ثابت کریں۔ کیونکہ عرش اور اس کے ماسوا سب کچھ حادث اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ مخلوق وحادث کی کیا مجال ہے کہ خالق قدیم کا مکان اور جائے قرار بن سکے۔"

(مکتوبات امام ربانیؒ: ج2ص225)

[۲]: قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ (م1323ھ) فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ باوجود وراء الوراء کے قریب عبد کے ہے "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ" ایسے تشاویش کی ضرورت نہیں اور "مَعَكُمْ" علم سے معیت تعبیر کرنا کچھ حاجت نہیں "هُوَ" ضمیر ذات ہے جہاں علم وہاں ذات۔ پس تکلف کی کیا حاجت ہے؟ حق تعالیٰ فوق، تحت سے بری ہے۔ فوق اور تحت اور ہر جا موجود ہے عروج روح وقلب کا فوق کی جانب اس خیال سے نہیں ہے کہ حق تعالیٰ فوق العرش ہے۔ نہیں سب جگہ ہے قلب مومن کے اندر بھی ہے پس فوق کا خیال مت کرو۔" (مکاتیب رشیدیہ ص42)

[۳]: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م1362ھ) سے کسی نے معیت وقربِ خداوندی کے بارے میں سوال کیا' جس کا آپؒ نے جواب دیا۔ سوال وجواب کی عبارت من وعن نقل کی جاتی ہے۔

"مسئله: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ وَقَالَ: وَهُوَ مَعَكُمْ الآية فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ اِنَّ الْقُرْبَ بِاعْتِبَارِ الذَّاتِ وَالْوَصْفِ وَيَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ اِنَّ الْقُرْبَ بِحَسْبِ الْوَصْفِ فَقَطْ، فَاَيُّ الْحِزْبَيْنِ عَلَى الصَّوَابِ وَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ عَلَى الْحَقِّ؛ وَاِنْ كَانَ اللّٰهُ قَرِيْبًا بِالذَّاتِ، هَلْ يَقْرُبُ مَعَ كَوْنِ اسْتِوَائِهٖ عَلَى الْعَرْشِ اَمْ لَا؛ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ بِالْقُرْبِ الْوَصْفِيِّ يَدَّعُوْنَ بِالْقَائِلِيْنَ بِالْقُرْبِ الذَّاتِيِّ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِقَوْلِهِمْ بِالْقُرْبِ الذَّاتِيِّ. هَلْ يَجُوْزُ نِسْبَةُ الْكُفْرِ اِلٰى مَنْ قَالَ اِنَّ الْقُرْبَ ذَاتِيٌّ اَمْ لَا؟

الجواب: لَمَّا كَانَ الْمُتَبَادَرُ عِنْدَ الْعَامَّةِ مِنَ الْمَعِيَّةِ الذَّاتِيَّةِ هِيَ الْمَعِيَّةُ الْجِسْمَانِيَّةُ اَبْطَلَهَا الْعُلَمَآءُ وَكَفَّرَ بَعْضُهُمُ الْقَائِلِيْنَ بِهَا، وَلَوْ اُرِيْدَ بِهَا الْمَعِيَّةُ غَيْرُ الْمُتَكَيِّفَةِ فَلَا مَحْذُوْرَ فِي الْقَوْلِ بِهَا، وَالْاِمْتِنَاعَ فِي اجْتِمَاعِهَا بِالْاِسْتِوَاءِ لِاَنَّ الذَّاتَ لَيْسَتْ بِمُتَنَاهِيَةٍ وَالْمَعِيَّةُ لَيْسَتْ بِمُتَكَيِّفَةٍ، وَمَنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى اعْتِقَادِهَا بِلَا كَيْفِيَةٍ فَالْاَسْلَمُ لَهٗ اَنْ يَّقُوْلَ بِالْمَعِيَّةِ الْوَصْفِيَّةِ (اى العلمية) فَقَطْ، وَبِهٰذَا التَّقْرِيْرِ خَرَجَ الْجَوَابُ مِنْ كُلِّ سُوَالٍ وَارْتَفَعَ كُلُّ اِشْكَالٍ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَبِيْرِ الْمُتَعَالِ عَنْ كُلِّ مَكَانٍ وَخَيَالٍ"

(بوادر النوادر از حضرت تھانویؒ ص50، 51)

ترجمہ: مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ قرب فقط وصف کے اعتبار سے ہے۔ ان میں سے کس کا موقف درست ہے اور کون حق پر ہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ بالذات قریب ہو تو کیا عرش پر مستوی ہوتے ہوئے قریب ہو گا یا نہیں؟ پھر جو لوگ قربِ وصفی کے قائل ہیں وہ قرب ذاتی کے قائلین کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ قربِ ذاتی کے قول کی وجہ سے کافر ہیں۔ تو جس شخص نے کہا کہ قرب ذاتی ہے' کیا اس شخص کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ "معیت ذاتیہ" کہنے سے عوام کا ذہن فوراً "معیتِ جسمانیہ" کی طرف جاتا ہے اس لیے علماء نے ایسا کہنے سے روک دیا اور بعض علماء نے معیتِ ذاتیہ کے قائلین کو کافر تک کہہ دیا اور اگر معیت ذاتیہ سے مراد "معیت بلا کیف" لی جائے تو اس نظریہ کا قائل ہونے میں کوئی

حرج نہیں ‘اور معیتِ غیر متکیفہ کو استواء (علی العرش) کے ساتھ جمع کرنا ممتنع بھی نہیں ہے، اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ متناہی نہیں اور معیت متکیفہ نہیں ‘اور جو شخص معیت بلا کیفیت کے اعتقاد پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ معیتِ وصفیہ، یعنی علمیہ کا قائل ہو جائے۔ اس تقریر سے سارے سوال ختم ہو گئے اور سارے اشکالات حل ہو گئے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بڑا ہے اور ہر مکان اور خیال سے پاک ہیں۔

تفسیر بیان القرآن میں ﴿وَاللّٰهُ مُحِيطٌۢ بِالْكَافِرِينَ﴾ [سورۃ البقرۃ:19] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اس میں دلیل ہے قولِ صوفیہ کی کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کو ذاتاً محیط ہے بدون اتصال اور کسی کیفیت کے نہ محض علم ہی سے محیط ہے۔“

(تفسیر بیان القرآن: ج1 ص22)

[۴]: حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ (م1417ھ) ایک سوال کہ ”باری تعالیٰ کہاں ہیں؟“ کے جواب میں فرماتے ہیں:

اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، ہر صغیر و کبیر کا عالم ہے، کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں، نصوصِ صریحہ اور دلائل قطعیہ سے اس کا ثبوت ہے: قال تعالیٰ: ﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے لیے دوسری اشیاء کی طرح کوئی مخصوص مکان محیط نہیں، کیونکہ وہ مکانی نہیں بلکہ واجب اور قدیم ہے اور مکان و زمان وغیرہ حادث اور اس کی پیدا کی ہوئی ہیں، پھر کوئی مکان وغیرہ کیسے محیط ہو سکتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ج1 ص245)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

”خدا ہر جگہ موجود ہے۔“

(ملفوظات فقیہ الامت: ج2 ص14)

[۵]: عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ (م1434ھ) فرماتے ہیں:

”بس ایک بات عرض کرتا ہوں، بعض لوگ مخلوق کے سامنے گناہ سے بچتے ہیں، دو چار دوست بیٹھے ہوں ہاں ان کے سامنے گناہ نہیں کرتے کیونکہ مخلوق کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے یا مخلوق ان سے انتقام لے سکتی ہے، لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ جس خلوت اور تنہائی میں انسان گناہ کرتا ہے اس وقت خدا اس کے ساتھ ہے یا نہیں؟ تو مخلوق زیادہ طاقتور یا خالق زیادہ طاقتور ہے؟ بڑی طاقت کے سامنے تو گناہ کرتے خوف نہ لگا اور کمزور مخلوق کے ڈر سے گناہ چھوڑ رہا ہے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ جہاں بھی تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اتنی عظیم الشان والا ہمارے، آپ کے حجروں اور کمروں میں ساتھ ہے، کوٹھڑیوں میں ساتھ ہے، لیکن انسان کی فطرت دیکھیے کہ چند انسان اس کو دیکھ رہے ہوں تو وہاں گناہ سے بچتا ہے اور پھر گناہ کے لیے تنہائی تلاش کرتا ہے، راستے بند کرتا ہے، دروازے بند کرتا ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے لیکن وہ ذات پاک جو مخلوق سے بے شمار گنا عظیم الشان اور عظیم القدرۃ ہے وہ وہیں ساتھ میں ہے، وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ۔

(اہل اللہ اور صراط مستقیم، سلسلہ مواعظ حسنہ نمبر 21، ص12،11)

[۶]: مفتی محمد رفیع عثمانی حفظہ اللہ رئیس دار العلوم کراچی نے فرمایا:

”اللہ رب العزت کی ذات تو ایسی عظیم ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ کسی خاص مقام تک محدود نہیں ہے، کعبہ بیت اللہ ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر موجود ہے اس کے سوا کہیں اور موجود نہیں، ایسا نہیں بلکہ وہ تو ہر جگہ ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾

تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

یعنی تم جہاں بھی ہوتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، اس وقت بھی ساتھ ہے، تمہارے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی۔ اور قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (سورۃ ق، آیت نمبر ١٦)

اور ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

انسان کی شہ رگ کتنی قریب ہوتی ہے، جسم کا حصہ ہے لیکن فرمایا کہ ہم ہر انسان کے اس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تو اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس تو لامحدود ہے وہ کسی خاص مکان کے ساتھ محدود نہیں ہے، کسی خاص مکان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ چنانچہ عرش پر بھی ہے، آپ کے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی، ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر جگہ ہے۔ مدینہ میں بھی ہے اور مکہ میں بھی۔ ہر آسمان پر ہے، عرش پر بھی ہے اور کرسی پر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے تو اس لحاظ سے ہر جگہ ہی افضل ہے۔"

(ماہنامہ البلاغ: ربیع الاول ١٤٣٤ھ / فروری ٢٠١٤ء ص 21 خطاب حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی)

[٧]: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم سورۃ البقرۃ آیت نمبر 115 کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"مشرق و مغرب سب اللہ کی مخلوق اور اس کی تابع فرمان ہیں، اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دے بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔"

(آسان ترجمہ: ج1 ص90)

[٨]: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی سے جاری ہونے والا فتویٰ ملاحظہ ہو:

"س: عقائد کی اصلاح اور تعلیم کے لیے رہنمائی فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

ج: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے، کسی خاص مکان یا جگہ کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں ہے۔"

نوٹ: یہ فتویٰ ان کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔

اسماء باری تعالیٰ:

اسماء باری دو قسم پر ہیں۔ [١]: ذاتی [٢]: صفاتی

چند فوائد:

فائدہ نمبر 1 : اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کو "اسماءِ حسنیٰ" کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2 : قرآن و حدیث میں وارد تمام اسماءِ الٰہیہ کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال کرنا جائز ہے اور جو اسماء قرآن و حدیث میں وارد نہیں امام ابو الحسن اشعریؒ کے نزدیک ان کا استعمال ذاتِ باری کے لئے ناجائز ہے' جبکہ امام فخر الدین رازیؒ اور امام غزالیؒ کے نزدیک ذاتِ باری کے لئے ان کا استعمال بطورِ اسم کے ناجائز اور بطورِ وصف کے جائز ہے۔ مثلاً "یَا قَدِیْمُ" نہیں کہہ سکتے البتہ "اَللّٰہُ قَدِیْمٌ" کہہ سکتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3 : ہر زبان میں ذاتِ باری کے لئے ذاتی نام مقرر ہے۔ ان کا استعمال اسی زبان میں ذات باری کے لئے جائز ہے۔ جیسے اردو اور فارسی میں "خدا" اور انگریزی میں "God" (بڑی G کے ساتھ) البتہ کفار میں ذات باری کے لئے استعمال ہونے والے اسماء کے بارے میں جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ یہ ذاتی ہیں یا صفاتی یا صفات میں سے کس صفت کی ترجمانی کرتے ہیں' اس وقت تک اس کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے۔ جیسے فارسی میں "اہرمن" اور "یزدان"۔ "اہرمن" کا معنی "خیر کا خدا" اور "یزدان" کا معنی "شر کا خدا"

فائدہ نمبر 4 : حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: ''اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی تِسْعَۃً وَ تِسْعِیْنَ اسْمًا مِائَۃً اِلَّا وَاحِدَۃً مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ (جامع الترمذی ج2 ص190 کتاب الدعوات)[اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جو ان کو یاد کرلے گا وہ جنت میں داخل ہوگا] میں وارد تمام اسماء حسنی کا حصر نہیں بلکہ ننانوے ناموں کا تذکرہ بطورِ فضیلت کے ہے' یعنی جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ان ننانوے اسماء کو یاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے جنت عطا فرمائیں گے۔

فائدہ نمبر 5 : ننانوے اسماء حسنیٰ:

''ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الرَّحمٰن الرَّحیم المَلِك القُدُّوس السَّلام المؤْمن المُهَيْمِن العزیز الجبَّار المتَکَبِّر الخالق الباریء المصوِّر الغفَّار القهَّار الوهَّاب الرزَّاق الفتَّاح العلیم القابض الباسط الخافض الرافع المُعِزُّ المُذِلُّ السمیع البصیر الحَکَم العَدْل اللطیف الخبیر الحلیم العظیم الغفور الشکور العَلِیُّ الکبیر الحفیظ المُقِیْت الحسیب الجلیل الکریم الرقیب المُجیب الواسع الحکیم الوَدُود المجید الباعث الشهید الحَقُّ الوکیل القَوِیُّ المتین الوَلِیُّ الحمید المُحْصِی المُبْدِئُ المُعِید المُمِیْت الحَیُّ القَیُّوم الواجد الماجد الواحد الاَحَد الصَمَد القادر المُقْتَدِر المُقَدِّم المُؤَخِّر الاول الآخِر الظاهر الباطن الوالی المُتَعَالی البَرُّ التوَّاب المُنْتَقِم العَفُوُّ الرَّؤُف مالكُ الملك ذو الجلال والاکرام المُقْسِط الجامع الغَنِیُّ المُغْنِی المانع الضارُّ النافع النور الهادی البدیع الباقی الوارث الرشید الصبور۔''

فائدہ نمبر 6 : بواسطہ اسماءِ حسنیٰ دعائے مستجاب کا مجرّب طریقہ:

گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر سورہ حشر کا آخری رکوع ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ الآیۃ﴾ پڑھیں اور جب ﴿مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰهِ﴾ پڑھ چکیں تو اپنی مشکل کا نام لے کر یوں دعا مانگیں ''یا اللہ! میری یہ مشکل میرے لئے پہاڑ ہے۔ اپنی قدرت، طاقت اور اس تلاوت کی برکت سے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ فرمادے'' اور جب ﴿لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ پڑھ چکے تو ننانوے اسماءِ حسنیٰ کو پڑھے، دل میں اپنی مراد کا تصور کرے اور رکوع کے اختتام پر گیارہ بار درود شریف پڑھے، پھر اپنی مراد مانگے۔

فائدہ نمبر 7 : اسماءِ حسنیٰ کو ''یا'' حرفِ ندا اور بغیر حرفِ ندا کے' دونوں طرح پڑھنا بلا کراہت درست اور جائز ہے۔

فائدہ 8: اسمائے حسنی میں سے کون سے اسماء بندوں کے لیے استعمال کے جاسکتے ہیں۔

اس بارے میں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحقیق نہایت ہی قابل قدر ہے اور ہماری نظر میں اہل علم حضرات کے لیے کافی وافی ہے، ''فتاویٰ عثمانی'' سے من وعن نقل کی جاتی ہے۔

''سوال: آج کل عموماً باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ ''عبد'' کے اضافے کے ساتھ نام رکھے جاتے ہیں' مگر عموماً غفلت کی وجہ سے مسمّٰی کو بدون ''عبد'' کے پکارا جاتا ہے' حالانکہ بعض اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں' مثلاً عبد الرزاق وغیرہ' اندریں احوال اپنی جستجو کے مطابق فیض الباری ج:۴ ص:۴۲۳ سے اسمائے حسنی درج کررہا ہوں، تحقیق فرمائیں کہ کون سے اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں' کہ ان کو بدون ''عبد'' کے مخلوق کے لیے استعمال کرنا گناہ کبیرہ ہے' اگر ان کے علاوہ اور کوئی اسماء ہوں تو وہ بھی درج فرمائیں مع تحقیق کے' نیز اسماء کے شروع یا آخر میں ''محمد'' یا'' احمد'' یا'' اللہ'' کا اضافہ کیسا ہے؟ مثلاً محمد متکبر، خالق احمد، محمد اللہ، احمد رزاق۔

اللہ ، الرحمن ،الرحیم، الملك، القدوس، السلام، المؤمن المهیمن ،العزیز، الجبار،المتکبر، الخالق، البارئ، المصور، الغفار، القهار،التواب، الوهاب، الخلّاق،الرزاق، الفتاح ،الحلیم ،العلیم ،العظیم ،الواسع، الحکیم ،الحی، القیوم، السمیع ،البصیر، اللطیف،الخبیر ،العلی،الکبیر ،المحیط،القدیر ،المولیٰ،النصیر ،الکریم ،الرقیب،القریب،المجیب،الحفیظ،المقیت،الودود،المجید،ا

لوارث،الشھید،الولی،الحمید،الحق،المبین،الغنی، المالك،القوی، المتین،الشدید، القادر، المقتدر،القاھر،الکافی،الشاکر، المستعان،الفاطر، البدیع،الفاخر،الاول، الآخر، الظاھر، الباطن،الکفیل، الغالب، الحکم، العالم،الرفیع،الحافظ، المنتقم، القائم، المحیی، الجامع، الملیك، المتعالی،النور، الھادی، الغفور،الشکور،العفو،الرؤوف،الا کرام، الاعلیٰ،البر، الخفی،الرب الالہ، الاحد، الصمد، الذی لم یلد، ولم یولد، ولم یکن له کفوا احد۔

جواب: کسی کتاب میں یہ تفصیل تو نظر سے نہیں گزری کہ کون کون سے اسمائے حسنیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں' اور کون سے اسماء کا اطلاق دوسروں پر ہو سکتا ہے' لیکن مندرجہ ذیل عبارتوں سے اس کا ایک اصول معلوم ہوتا ہے:۔

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:" وَذَكَرَ غَيْرُوَاحِدٍمِنَ الْعُلَمَآءِ اَنَّ هٰذِهِ الْاَسْمَآءَ...تَنْقَسِمُ قِسْمَةٌ اُخْرٰى اِلٰى مَا لَايَجُوْزُ اِطْلَاقُهٗ عَلٰى غَيْرِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى كَاللّٰهِ وَالرَّحْمٰنِ وَمَا يَجُوْزُ كَالرَّحِيْمِ وَالْكَرِيْمِ " (روح المعانی ج:9 ص123 طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور)

[ترجمہ: کئی علماء کا کہنا ہے کہ ان اسماء کی ایک اور تقسیم اس اعتبار سے بھی ہے کہ ان میں سے کس نام کا استعمال غیر اللہ کے لیے جائز نہیں جیسے اسم "اللہ" اور "الرحمٰن" اور کس نام کا استعمال غیر اللہ کے لیے ناجائز ہے جیسے اسم "رحیم" اور "کریم"]

اور رد محتار میں ہے:

"وَجَازَ التَّسْمِيَّةُ بِعَلِيٍّ وَرَشِيْدٍ مِنَ الْاَسْمَآءِ الْمُشْتَرِكَةِ وَيُرَادُ فِيْ حَقِّنَا غَيْرُمَا يُرَادُ فِيْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى .وَفِيْ رَدِّ الْمُحْتَارِ: اَلَّذِيْ فِي التَّاتَرْخَانِيَّةِ عَنِ السِّرَاجِيَّةِ التَّسْمِيَّةُ بِاسْمٍ يُوْجَدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى كَالْعَلِيِّ وَالْكَبِيْرِ وَالرَّشِيْدِ وَالْبَدِيْعِ جَائِزَةٌ الخ"

(شامی ج:5 ص:268)

[ترجمہ: کسی کا نام اسماء مشترکہ میں سے رکھنا جائز ہے جیسے "علی" اور "رشید" ۔ ان اسماء سے ہمارے حق میں وہ معنی مراد نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے لیے مراد ہوتا ہے۔ رد المحتار میں ہے کہ فتاویٰ تاترخانیہ میں فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے جو منقول ہے کہ ایسا نام رکھنا جائز ہے جو قرآن مجید میں پایا جاتا ہو جیسے علی، کبیر، رشید، بدیع وغیرہ الخ]

وَفِي الْفَتَاوٰى الهِنْدِيَّةِ: اَلتَّسْمِيَّةُ بِاسْمٍ لَمْ يَذْكُرْهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ عِبَادِهٖ وَلَا ذَكَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا اسْتَعْمَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ تَكَلَّمُوْا فِيْهِ، وَالْاَوْلٰى اَنْ لَّا يَفْعَلَ كَذَا فِي الْمُحِيْطِ. (فتاویٰ عالمگیریہ ص:362 حظر واباحت باب22)

[ترجمہ: فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ ایسا نام رکھنے کے بارے میں علماء نے کلام کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں ذکر نہیں کیا، نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے اور بہتر یہی ہے کہ ایسا نام نہ رکھا جائے۔]

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اسماء حسنیٰ میں بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو قرآن وحدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں جیسے رحیم، رشید، علی' کریم' عزیز وغیرہ۔ اور اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں' ان کو غیر االلہ کے لیے استعمال کرنا الحادِ مذکور میں داخل اور ناجائز و حرام ہے۔ (معارف القرآن ج:۴ ص:۱۳۲ سورہ اعراف:۱۸)

ان عبارتوں سے اس بارے میں یہ اصول مستنبط ہوتے ہیں۔

نمبر1: وہ اسمائے حسنیٰ جو باری تعالیٰ کے اسم ذات ہوں یا صرف باری تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کے معنی ہی میں استعمال ہوتے ہوں' ان کا استعمال غیر اللہ کے لیے کسی حال جائز نہیں' مثلاً: اللہ، الرحمٰن، القدوس، الجبار، المتکبر، الخالق، الباریٔ، المصور، الرزاق، الغفار، القہار، التواب،

الوہاب، الخلاق، الفتاح، القیوم، الرب، المحیط، الملیک، الغفور، الاحد، الصمد، الحق، القادر المحیی۔

نمبر2: وہ اسمائے جو باری تعالیٰ کی صفات خاصہ کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیا جاسکتا ہو' ان میں تفصیل یہ ہے

کہ اگر قرآن وحدیث' تعاملِ امت یا عرفِ عام میں ان اسماء سے غیر اللہ کا نام رکھنا ثابت ہو تو ایسا نام رکھنے میں مضائقہ نہیں' مثلاً: عزیز' علی' کریم' رحیم' عظیم، رشید، کبیر، بدیع، کفیل، ہادی' واسع، حکیم وغیرہ اور جن اسمائِ حسنیٰ سے نام رکھنا نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہو اور نہ مسلمانوں میں معمول رہا ہو، غیر اللہ کو ایسے نام دینے سے پرہیز لازم ہے۔

نمبر3: مذکورہ دو اصولوں سے اصول خود بخود نکل آیا کہ جن اسمائے حسنیٰ کے بارے میں یہ تحقیق نہ ہو کہ قرآن وحدیث' تعاملِ امت یا عرف میں وہ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں یا نہیں؟ ایسے نام رکھنے سے بھی پرہیز لازم ہے' کیونکہ اسمائے حسنیٰ میں اصل یہ ہے کہ ان سے غیر اللہ کا نام رکھنا جائز نہ ہو' جواز کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔

ان اصولوں پر تمام اسمائے حسنیٰ کے بارے میں عمل کیا جائے' تاہم یہ جواب چونکہ قواعد سے لکھا ہے اور ہر ہر نام کے بارے میں اسلام کی کوئی تصریح احقر کو نہیں ملی، اس لیے اگر اس میں دوسرے اہل علم سے بھی استصواب کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

(فتاویٰ عثمانی: ص52، 53)

فائدہ نمبر9: مسئلہ صفات کو دلائل کے ساتھ سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

1: کتاب الاسماء والصفات۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ البیہقی (م458ھ)

2: دفع شبہ التشبیہ۔ امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد تمیمی المعروف ابن جوزی (م597ھ)

3: اساس التقدیس۔ امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین تمیمی الرازی (م606ھ)

4: ایضاح الدلیل فی قطع حجج اہل التعطیل۔ قاضی محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ الکنانی الشافعی المعروف بدر الدین ابن الجماعہ (م728ھ)

5: شرح المقاصد۔ امام مسعود بن عمر بن عبد اللہ المعروف سعد الدین تفتازانی (م793ھ)

6: شرح المواقف۔ علامہ سید الشریف علی بن محمد الجرجانی (م816ھ)

7: المسامرۃ شرح المسایرۃ۔

[المتن: المسایرۃ فی العقائد المنجیۃ فی الآخرۃ۔ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابن الہمام (م861ھ)

الشرح: المسامرۃ۔ امام کمال الدین محمد بن محمد بن ابی بکر بن علی بن ابی شریف (م905ھ)]

8: اشارات المرام من عبارات الامام۔ امام کمال الدین احمد بن حسن بن سنان الدین بیاضی البوسنوی الحنفی (م1098ھ)

9: اتحاف الکائنات ببیان مذہب السلف والخلف فی المتشابہات۔ شیخ محمود محمد خطاب السبکی (م1325ھ)

10: تمہید الفرش فی تحدید العرش۔ مولانا محمد اشرف علی تھانوی (م1362ھ)

11: مقالات الکوثری۔ شیخ محمد زاہد بن الحسن الکوثری (م1371ھ)